6

برلن میں خانہ خدا بنانے کی تحریک

احمدی خواتین کا اولوالعزمانہ ایثار

(فرمودہ ۲؍ مارچ ۱۹۲۳ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک قول جو ایک عام قانون قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ مجھے بہت پسند آتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے

کسی درخت کی قیمت، کسی درخت کی حقیقت، کسی درخت کا فائدہ اس کی عام نفع رسانی اور اس کا لوگوں کے لئے موجب برکات ہونا اس کا اندازہ اس کے پھل سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ پھل سے یہ مراد نہیں کہ وہ میوہ جو کھایا جاتا ہے بلکہ پھل سے وہ مقصد اور مدعا وہ کام اور غرض مراد ہے جس کے لئے کوئی درخت لگایا جاتا ہے۔ ایک درخت جو اس لئے لگایا جاتا ہے کہ اس کے پتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے پتے ہی اس کا پھل ہیں۔ ایک درخت جو اس لئے لگایا جاتا ہے کہ اس کا ایندھن بنایا جائے۔ اس کی لکڑی اس کا پھل ہے۔ ایک ایسا درخت جو میوے کے لئے لگایا جاتا ہے اس کا میوہ اس کا پھل ہے۔ غرض جو درخت جس مقصد کے لئے لگایا جاتا ہے اگر اسی کے مطابق وہ میوہ پیدا کرتا ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو وہ اعلیٰ درجہ کا پھل لاتا ہے۔ مثلاً ایک ایسا درخت جو پتوں کی غرض سے لگایا جاتا ہے یعنی اس کے پتے ایسے مفید ہوتے ہیں کہ دوائیوں میں پڑتے ہیں۔ یا اس کی شاخیں ایسی عمدہ اور کار آمد ہوتی ہیں کہ صنعت و حرفت میں کام آتی ہیں۔ یا اس کا سایہ ایسا اچھا ہوتا ہے کہ لوگ اس سے آرام پاتے ہیں۔ جب یہ کام دینے لگ جائے تو وہ درخت اچھا ہوگا کیونکہ اس کا پھل اچھا ہے۔ لیکن اگر وہ اس غرض کو پورا نہیں کرتا جس کے لئے لگایا گیا تو وہ درخت اچھا نہیں ہوگا۔ اس کو اگر ساری دنیا اچھا کہے تو وہ اچھا نہیں بن سکتا۔ اور اگر اس کی جو غرض ہو اسے وہ پورا کرے تو ساری دنیا کے برا کہنے سے وہ برا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک ایسی

حقیقت ہے کہ اس سے ہزاروں جگہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کسی سلسلہ کی سچائی اور اس کی راستی کا معیار بھی یہ بات ہے کہ آیا اس کا پھل قیمتی اور کار آمد ہے یا نہیں۔ وہ سلسلہ اس غرض اور غائت کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔ جو روحانی سلسلہ کی ہوا کرتی ہے۔ اگر کوئی سلسلہ اپنی تاثیرات اور اپنے اثرات اور اپنی نفع رسانیوں سے ثابت کردے کہ وہ اس غرض کو پورا کر رہا ہے جو روحانی سلسلہ کی ہوا کرتی ہے تو وہ اعلیٰ اور سچا ہے لیکن اگر کوئی سلسلہ اپنے پھلوں سے اپنے اعلیٰ ہونے کا ثبوت نہیں دیتا تو وہ سچا کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

ہمارے سلسلہ کے متعلق بھی لوگوں کو شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور شبہات پیدا کیا ہوتے ہیں؟ یوں کہو کہ چونکہ ہمارا سلسلہ ان لوگوں کے عقائد اور خیالات کو باطل قرار دیتا اور ان کو رد کرتا ہے اس لئے عام طور پر وہ لوگ سلسلہ کی مخالفت پر کھڑے رہتے ہیں اور عیب نکالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک عقلمند اور منصف انسان کے لئے فیصلہ کرنے میں بہت آسانی اور سہولت ہو جاتی ہے۔ اگر وہ یہ دیکھے کہ کیا اس سلسلہ کے پھل ایسے ہی ہیں جیسے پہلے روحانی سلسلوں کے ہوتے رہے ہیں۔ اگر اسے ویسے ہی پھل نظر آئیں تو اس سے سلسلہ کو بھی روحانی ماننا پڑے گا۔ لیکن اگر کوئی پھر بھی اعتراض کرے گا تو یہ اس کی اندرونی خرابی اور نقص کی وجہ سے ہوگا۔ نہ یہ کہ سلسلہ سچا نہیں ہوگا۔ دیکھو اگر نیشکر اعلیٰ درجہ کا ہے اور اس کے چکھنے سے کسی کو کڑواہٹ معلوم ہوتی ہے تو یہ نیشکر کا نقص نہیں ہوگا بلکہ چکھنے والے کا ہوگا۔ اسی طرح اگر شیریں پھل سے کسی کے منہ میں کڑواہٹ پیدا ہوتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھل خراب ہے بلکہ یہ چکھنے والے کے اندر مرض ہے۔ اسی طرح اگر ایک کھانے کا عمدہ ہونا دلائل اور مشاہدات سے ثابت ہو جائے اور پھر کچھ لوگ اس کے متعلق اعتراض کریں کہ یہ پھیکا ہے۔ بدمزہ ہے یا یہ کہ اس میں نمک زیادہ ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہونگے کہ کھانا خراب ہے بلکہ یہ کہ نقص نکالنے والوں میں نقص ہے۔ اس صورت میں ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہم کھانے کی اصلاح کریں بلکہ یہ ضروری ہوگا کہ اعتراض کرنے والوں کی بیماری کی اصلاح کریں۔ ان کے ناک زبان اور عقل کی شہادت اس امر کے لئے کافی نہیں ہوگی کہ کھانے میں تغیر کریں بلکہ وہ اس امر کی طرف توجہ دلائے گی کہ ان کی بیماری کی طرف توجہ کی جائے۔

اس وقت ہمارے سلسلہ اور سلسلہ کے کاموں کے متعلق ایک نئی تحریک کے متعلق اسی قاعدہ کے مطابق صداقت ثابت ہوئی ہے۔ تین چار ہفتے ہوئے میں نے مسجد برلن کے لئے اعلان کیا تھا۔ ہماری جماعت غریب اور کمزوروں کی جماعت ہے۔ پھر اس کے اخراجات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ایسی بڑی بڑی رقمیں جن کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے جمع کر سکتی ہے۔ خلافت ٹرکی کے لئے

چندہ کی سارے ہندوستان میں تحریک کی گئی۔ اور مسلمانوں میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو اکیلے کروڑ کروڑ روپیہ دے سکتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان کی رقمیں دس بارہ لاکھ سے زیادہ نہ ہوسکیں۔ اور اس کا اثر ایسا پڑا کہ اگر خلافت کے لئے چندہ دیتے ہیں تو یہاں کی تحریکوں کو چلانے کے لئے کچھ نہیں رہتا حتّٰی کہ مرکزی خلافت کمیٹی کو فیصلہ کرنا پڑا کہ انگورہ فنڈ سے روپیہ کاٹ کر یہاں کے اخراجات میں لگایا جائے۔

اس کے مقابلہ میں ہماری جماعت ہے جو مال اور تعداد کے لحاظ سے یہاں کی سب اقوام سے کم ہے۔ حتیٰ کہ صرف پنجاب میں جتنے چوڑھے رہتے ہیں ان سے بھی احمدی کم ہیں اور مال کے لحاظ سے بھابڑے وغیرہ بہت چھوٹی اقوام بلکہ ان قوموں کے بعض افراد کے پاس جتنا مال ہے اتنا ہماری ساری جماعت کے پاس نہیں ہے۔ مگر باوجود اس کے اللہ تعالیٰ اس جماعت سے جو کام لے رہا ہے۔ اس کی طرف دیکھو کہ وہ کیسا عظیم الشان ہے۔ ہندوستان میں سات آٹھ کروڑ کے قریب کہتے ہیں کہ مسلمان ہیں پھر مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ ہمارے چندہ کے متعلق یہ سوال نہیں تھا۔ مسجد لندن ایک تحریک تھی اور بہت بابرکت اور ضروری تحریک تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اگر لندن میں مسجد نہ بنی تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی طرح برلن میں مسجد کی تحریک ہے۔ یہ مفید ہے مگر یہ نہیں کہ اگر نہ بنی تو ہماری جماعت ٹوٹ جائے گی۔ مگر مسلمانوں کی تحریک ایسی تھی کہ وہ خود کہتے تھے۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو مسلمان تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ لیکن باوجود اس کے ان کے لئے چند لاکھ روپیہ جمع کرنا مشکل ہو گیا۔ بالمقابل اس کے ہماری جماعت جو ان کا سواں حصہ بھی نہیں بنتی۔ ایک لاکھ روپیہ چند دنوں میں مسجد لندن کے لئے دے دیتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہماری زندگی اور موت کا سوال ہو تو ہماری مٹھی بھر جماعت دو کروڑ روپیہ بھی جمع کر سکتی ہے۔ اور اس سے زائد ہم اس لئے نہ جمع کریں گے کہ اور دینا نہ چاہیں گے بلکہ اس لئے کہ ہمارے پاس کچھ اور ہو گا ہی نہیں۔ وہ سوال جو ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہو گا۔ اس کے لئے روپیہ کی انتہا خواہ کوئی بھی ہو۔ اس لئے نہ ہو گی کہ اس سے زیادہ ہم دینا نہ چاہیں گے بلکہ اس لئے ہو گی کہ ہمارے پاس دینے کے لئے کچھ اور ہو گا ہی نہیں۔ باقی صرف جانیں ہوں گی اور جانوں کے دینے سے بھی دریغ نہ ہو گا۔ کیا عقلمند اور سمجھ دار لوگوں کے لئے یہ بات غور و فکر کے قابل نہیں ہے کہ ایک ایسی قوم جو مدتوں سے مُردہ چلی آتی ہے۔ اس کے افراد میں ایسی روح ایسا جوش اور ایسا ولولہ پیدا ہو جائے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں یہ خدا تعالیٰ کا ہی کام ہے کہ اس نے ایسی حالت پیدا کر دی ہے۔ یہ کسی انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔ دیکھو بڑے بڑے لوگ اٹھے جنہوں نے لوگوں کی عقلوں اور فہموں پر تصرف حاصل کر لیا۔ مگر ان کا تصرف عارضی اور چند دن کا تھا۔ مسٹر گاندھی کو کتنا عروج

ہوا۔ مگر عارضی۔ محمد علی شوکت علی صاحبان کو کس قدر لوگوں نے بلند کیا۔ مگر عارضی۔ کچھ عرصہ پہلے مسٹر گاندھی کا کتنا شور تھا مگر دو ہی سال کے عرصہ میں آج ان کو لوگوں پر پہلے اثر کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں۔ ان عارضی جوشوں کی ایسی ہی مثال ہوتی ہے۔ جیسے روڑیوں پر پھول اُگ آتے ہیں اور چند دن میں مرجھا جاتے ہیں۔ مگر جو پھول باغ میں ہوتے ہیں ان کی باغبان نگرانی کرتا ہے۔ ایک مرجھا جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لگا دیتا ہے۔ تو انسانوں کے پیدا کئے ہوئے جوش مستقل نہیں ہوتے۔ مگر خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ جوش میں استقلال ہوتا ہے۔ جب کبھی ذرا سستی پیدا ہونے لگے۔ تو اور جوش پیدا کر دیتا ہے۔ برلن میں مسجد کے متعلق جو تحریک کی گئی ہے۔ اس میں دیکھا گیا ہے کہ عورتوں نے اپنے اخلاص کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے جو کسی اور جگہ ہرگز نہیں مل سکتا۔ اس وقت تک ۲۵ ہزار کے وعدے ہو چکے ہیں اور کوئی تعجب نہیں کہ جو رقم کہی گئی ہے۔ اس سے بہت زیادہ ہو جائے۔ کیونکہ ابھی تک کئی جماعتیں باقی ہیں۔

اس تحریک کے متعلق بھی دیکھا جائے تو اس میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اور وہی بات آج میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے بعض ایسے سامان پیدا کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ تحریک مقبول ہے۔ جہاں دوسرے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ مال خرچ کرنے کی وجہ سے ان میں سے لوگ مرتد ہو جاتے ہیں۔ وہاں ہمیں ایک نیا تجربہ ہوا ہے۔ میں نے اس مسجد کی تحریک کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ احمدی عورتوں کی طرف سے یہ مسجد ہوگی جو ان کی طرف سے نو مسلم بھائیوں کو بطور ہدیہ پیش کی جائے گی اب بجائے اس کے کہ وہ عورتیں جنہیں کمزور کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کو سن کر پیچھے ہٹتیں عجیب نظارہ نظر آیا اور وہ یہ کہ اس تحریک پر اس وقت تک گیارہ عورتیں احمدیت میں داخل ہو چکی ہیں تاکہ وہ بھی اس چندہ میں شامل ہو سکیں۔ یہ خبر اس وقت تک آچکی ہے۔ اوروں کا پتہ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ عورتیں پہلے ہی احمدی تھیں۔ کوئی اس لئے مذہب نہیں بدلا کرتا کہ چندہ دے۔ وہ پہلے احمدی تھیں مگر ان میں احمدیت کے اظہار کی جرأت نہ تھی۔ اب انہوں نے دیکھا کہ اگر اب بھی جرأت نہ کی تو اس ثواب سے محروم رہ جائیں گی۔ گویا اس طرح اس تحریک نے گیارہ روحوں کو ہلاکت سے بچا لیا۔ اور یہ پہلا پھل ہے جو اس تحریک سے ہم نے چکھا ہے کہ گیارہ روحیں ہلاکت سے بچ گئی ہیں۔ ایک مثل مشہور ہے اور وہی بات یہاں بن جاتی ہے۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ گذر رہا تھا کہ اس نے دیکھا ایک بوڑھا ۸۰۔ ۹۰ سال کی عمر کا درخت لگا رہا ہے۔ وہ درخت کوئی اس قسم کا تھا جو لمبے عرصہ کے بعد پھل دیتا ہے۔ بادشاہ نے اس بوڑھے کو کہا۔ یہ درخت تو بہت عرصہ کے بعد پھل دے گا۔ تم اس سے کیا فائدہ اٹھا سکو گے۔ بڈھے نے کہا بادشاہ سلامت بات یہ ہے کہ ہمارے

باپ دادا نے درخت لگائے جن سے ہم نے پھل کھائے۔ اب ہم درخت لگاتے ہیں جن سے آئندہ آنے والے پھل کھائیں گے۔ بادشاہ نے یہ سن کر کہا زہ یعنی کیا خوب بات کہی ہے۔ اور اس کا حکم تھا کہ جس کی بات پر میں زہ کہوں۔ اسے چار ہزار روپیہ دینا چاہیئے۔ جب بادشاہ نے زہ کہا تو چار ہزار کی تھیلی اسے دے دی گئی۔ بڈھے نے تھیلی ہاتھ میں لیکر کہا۔ بادشاہ سلامت آپ کہتے تھے کہ تو اس درخت کا پھل کب کھائے گا۔ لوگوں کے درخت تو دیر سے پھل دیتے ہیں میرے درخت نے لگاتے لگاتے پھل دے دئے۔ بادشاہ نے پھر کہا۔ زہ اور خزانچی نے چار ہزار کی اور تھیلی اسے دے دی۔ بڈھے نے دوسری تھیلی لے کر کہا۔ بادشاہ سلامت لوگوں کے درخت تو سال میں ایک دفعہ پھل دیتے ہیں میرے درخت نے بیٹھے بیٹھے دو دفعہ پھل دے دئے۔ بادشاہ نے پھر کہا زہ۔ اور تیسری تھیلی اسے دی گئی۔ اس پر بادشاہ نے کہا یہ بڈھا تو ہمیں لوٹ لے گا۔ چلو یہاں سے چلیں اور روانہ ہو گیا۔

مسجد برلن کے متعلق بھی زہ والی ہی مثال ہے۔ لوگوں کی مسجدیں تو اس لئے بنتی ہیں کہ جو ایمان لے آئے ہیں وہ نمازیں پڑھیں۔ مگر ہماری مسجدوں کی تحریکوں میں لوگ ایمان لے آتے ہیں۔ یہ درخت کا پھل ہے جو بتاتا ہے کہ یہ درخت کس قسم کی خوبیاں رکھتا ہے۔ پھل سے ہی درخت کی خوبی معلوم ہوتی ہے اور اس درخت کے پھل نے بتا دیا ہے کہ یہ بہت اعلیٰ ثمرات رکھتا ہے۔ دیکھو جس درخت کو لگاتے ہوئے اس کی جڑ میں گیارہ آدمیوں کے ایمان کا پانی سینچا جائے گا وہ کیسا اعلیٰ ہوگا اور اپنے وقت پر وہ کیسے ثمرات دے گا۔

اس کے بعد میں یہاں کی جماعت کے لوگوں کو اور ان کی عورتوں کو اور باہر کی جماعتوں کو اور ان کی عورتوں کو مخاطب کرتا ہوں کہ ابھی تک بہت سی جماعتوں کے چندے نہیں آئے تازہ تازہ کام کے کرنے میں جو ثواب اور لطف ہوتا ہے وہ بعد میں نہیں ہوتا۔ اور سابقون کو جو درجہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ بعد میں آنے والوں سے بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔ دیکھو ایک صحابی تو ابو بکرؓ بن گیا اور ایک وہ صحابی ہوگا جو بعد میں ایمان لایا۔ اور اس کا کوئی نام نہیں جانتا۔ اس کی کیا وجہ ہے یہی کہ ابو بکرؓ اس وقت ایمان لایا جب اس کے کان میں آواز پڑی۔ اور دوسرے بعد میں ایمان لائے۔ تو دیر سے کام کرنے میں بھی ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی وہ مستورات جنہوں نے چندے نہیں دئے یا ادا نہیں کئے اور باہر کی جماعتوں کی مستورات کو بھی جنہوں نے چندے نہیں لکھائے یا ادا نہیں کئے تحریک کرتا ہوں کہ وقت پر ایک پیسہ جو فائدہ دے سکتا ہے۔ بے وقت ہزارہا روپیہ بھی اتنا فائدہ نہیں دے سکتا۔ پس جن بہنوں نے چندے لکھائے ہیں ان کو چاہیئے کہ جلدی ادا کریں اور بھائیوں کو چاہیئے کہ ان کو تحریک کرتے رہیں۔ اگرچہ اس کام میں مردوں کا چندہ نہیں رکھا گیا مگر وہ عورتوں

میں تحریک کرکے ثواب حاصل کرسکتے ہیں۔ اب کئی گھبرا کر لکھ رہے ہیں کہ ہماری عورتیں غیراحمدی ہیں ہم کیا کریں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تمہاری سستی کا خمیازہ ہے کیوں تم نے ان کو احمدی نہیں کیا۔ اور جب تم نے اس قدر سستی دکھائی ہے تو یہی وقت ہے کہ تمہیں چوٹ لگے اور تم محسوس کرو کہ تم سے کس قدر کوتاہی ہوئی ہے۔

پھر یہ بھی ایمان کی علامت ہے کہ کئی لوگ لکھ رہے ہیں کہ آپ دعا فرمائیں میری بیوی چندہ دینے میں کمزوری نہ دکھائے۔ کہتے ہیں کسی مولوی نے عورتوں میں چندہ کی تحریک کی۔ اس کی اپنی بیوی بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی ایک بالی دے آئی۔ جب وہ گھر آیا اور معلوم ہوا کہ اس کی بیوی نے بھی بالی دی ہے تو کہنے لگا تم نے کیوں دی؟ یہ تحریک تو اوروں کے لئے تھی نہ کہ اپنے گھر کے لئے۔ لیکن ہماری جماعت کے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ لکھ رہے ہیں۔ دعا کی جائے کہ ان کی عورتیں چندہ دینے میں کوتاہی نہ کریں۔ پھر بعض لکھ رہے ہیں کہ وفات یافتہ بیوی کی طرف سے چندہ دینے کی اجازت دی جائے۔

غرض یہ ایسا نظارہ ہے کہ جو اپنی نظیر نہیں رکھتا اور جس کا نمونہ صحابہ کے زمانہ میں ہی پایا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے جانیں بھی قربان کرنی پڑیں تو ہماری جماعت دریغ نہ کرے گی۔

دوستوں کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے جلدی اس ثواب کو حاصل کرنے کی عورتوں کو تحریک کریں کیونکہ اگر اس وقت مسجد بننے لگے۔ تو اس رقم میں بن سکتی ہے ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ دس لاکھ میں بھی نہ بن سکے۔ پس مردوں کو چاہیئے کہ تحریک میں جلدی کریں اور عورتیں چندے دینے میں جلدی کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ان کو پورا کرنے کی توفیق دے اور ہدایت پر قائم رکھے۔

(الفضل ۸ر مارچ ۱۹۲۳ء)